ہوالکل

مصورِ فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی

کی لکھی ہوئی

لاہوتی

آپ بیتی

کارکن حلقہ مشایخ بک ڈپو دہلی نے
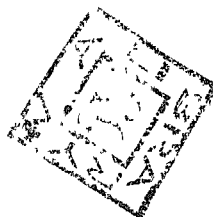
مئی ۱۹۲۵ عیسوی میں

تیسری بار شائع کی

بار سوم

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

قیمت ۲ر

آپ بیتی حسن نظامی

خود حضرت خواجہ حسن نظامی کی لکھی ہوئی اپنی
لائف جس میں نہایت سچائی اور نہایت
آزادی سے اپنے سب اچھے برے حالات
لکھ دیے ہیں بہت مقبول ہوئی ہے، کئی بار
چھپی ہے، بہت دلچسپ ہے۔

قیمت ایک روپیہ چار آنے

کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی

۷۸۶   ہوالکل   یامعین

حسن نظامی کی

لاہوتی آپ بیتی

یعنی

اس نگری میں

بولتا

ہے کون؟

رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ اپریل ۱۹۲۵ء میں تیسری بار چھپی

ملنے کا پتہ

حلقہ مشائخ بک ڈپو دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بار سوئم   قیمت ۲ ر

انا الکل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے لاہوتی آپ بیتی میری کتاب آپ بیتی حسن نظامی کے ہمراہ شائع ہوئی تھی
اب آپ بیتی کی دوسری اشاعت کے وقت میں نے اُس کو جُدا کر دیا۔ کیونکہ ناسُوت کی نظر
اس کتاب کو پڑھتے پڑھتے جب یکایک اس مجذوبانہ بیان کو دیکھتی ہے تو اسکو یاد نہیں آتا کہ یہ کس کوچہ
کا بیان ہے جسکے سبب اس مضمون سے گھبرانے لگتی ہے، اسکو شریعت کا فتویٰ تلاش کرنا پڑتا ہے۔
وہ سرمد کے قتل کرنیکا خنجر ڈھونڈتی ہے۔ تاکہ حسن نظامی کو بھی اس سے ذبح کر ڈالے۔

میں تو نہ مرا نہ مرسکا۔ نہ مروں نہ مرسکوں۔ مگر نہیں چاہتا کہ بیان لاہوت سے اہل
ناسوت کو حیرت میں ڈالوں۔ اسلئے اس ماجرے کو علیحدہ کر دینا اچھا معلوم ہوا تاکہ صرف اس
کوچہ کے طلبگار اسکو دیکھیں۔ اور نافہمی کی آنکھوں سے یہ محفوظ رہے۔

اگر مَیں کا سمجھنا ہے تو یہ اوراق مفید نہیں ہونگے۔ ہاں مَیں کے خلجان میں اُلجھنا
اور حیران ہونا ہے۔ تو اس وادی کے حرف حرف میں سامان دیوانگی ملے گا۔

یہ سمجھنے کی اور سمجھ کی اور اہل دانش کے کام کی چیز نہیں ہے۔ جو ناسمجھ کہلانے سے خوش
ہوتا ہو عقل و ہوش کو وبال ہستی اور زیان زیست تصور کرتا ہو۔ اُسکو البتہ لطف آئیگا کہ یہ
گفتگو ان پیاسوں کی ہے جو دھوکے سراب کو دیکھکر تڑپا کرتے ہیں۔ اور سیراب
نہیں ہو سکتے۔ اور جن کو تشنہ کامی ہی ہزار سیرابیوں سے زیادہ عزیز ہوتی ہے :۔

۱۷ فروری ۱۹۲۲ء

اصلی بشر کا ایک سایہ
حسن نظامی
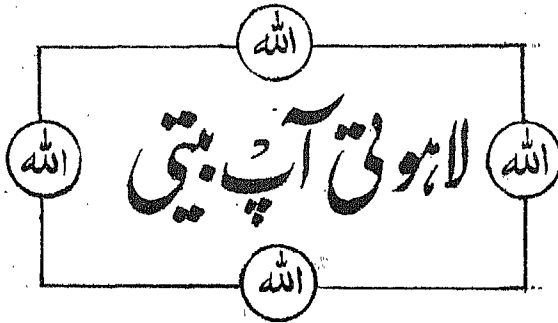
ارے سُن سُن! او ناسوت کے رہنے والے۔ محسوسات و نظریات کے پھندوں کے قیدی۔ بصارت و سماعت و نفسانیت کے مبتلا۔ میری سُن۔ مگر مجھ کو نہ دیکھ۔ ابھی تو نے پڑھا اور دیکھا۔ سُنا اور سُنایا۔ حسن نظامی اپنی بیتی کہہ رہا تھا۔ اور تو ناسوت کے کان، ناسوت کی سمجھ، ناسوت کے خیال سے اسکو سنتا اور سمجھ رہا تھا۔

یہ حسن نظامی کے اس پنجرے کا بیان تھا جو رُوح اور اسکے حواس کا قفس ہے اس سرگذشت کا تعلق ایک پتلے سے تھا۔ جو زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، ہنستا روتا سوتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور دید و شنید کی ناسوتی بھول جسکو حقیقی حسن نظامی خیال کرتی ہے۔ حالانکہ حسن نظامی اور ہر بشر نہ جسم ہے۔ نہ رُوح۔ نہ قال ہے نہ حال۔ وہ اپنے جسم کے ساتھ محسوس ہوتا ہے۔ مگر اس سے قطعًا الگ ہے۔ وہ اپنی رُوح کی دلیل اور نمود خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقۃً ایسا نہیں ہے۔ جسم دیکھنے میں ایک مجاز ہے۔ اور روح سمجھنے میں ایک مثال ہے۔ ورنہ حسن نظامی اور ہر آدمی جسم و رُوح سے ایک علیحدہ چیز ہے۔ اس کو چیز کہنا جائز نہیں سمجھانے کو چیز کہدیا۔

لاہوت میں آ۔ لاہوت کی عینک لگا۔ اور پھر میری بیتی کو سُن۔ جب میں کہتا ہوں۔ کہ حسن نظامی پیدا ہوا۔ اس نے دودھ پیا۔ وہ رویا۔ وہ ہنسا۔

وہ ماں کی گود میں مدتوں بیہوش و بے قابو پڑا رہا۔ تو اس سے بنظر عالم ناسوت یہ مراد ہے۔ کہ وہ صورت جسکو تو نے حسن نظامی نام دیا ہے۔ پیدا ہوئی۔ اور ماں کی گود میں لیٹی۔ مگر بنظر لاہوت وہ حسن نظامی نہیں ہے۔ کیونکہ حسن نظامی اور ہر انسان کا لاہوتی وجود ذاتِ الٰہی کا ایک ایسا پرتو اور جلوہ ہے جو خود ذاتِ خدا تو نہیں۔ مگر خدا کے بعد ہر چیز سے اعلیٰ ہے۔ اور ہر شے سے ممتاز ہے۔ پہلے خدا کی ذات ہے۔ پھر لاہوتی جوہر انسانی ہے۔ پھر ارواح کا میدان ہے پھر اجسام کی دنیا ہے۔

حسن نظامی جب کہتا ہے یا لکھتا ہے۔ کہ میں نے کہا۔ میں نے لکھا۔ میں نے پڑھا۔ میں نے کھایا۔ میں سویا۔ میں جاگا۔ تو دنیا اس کے جسم و روح کی متحدہ شکل کے یہ افعال تصور کرتی ہے۔ اور میں حسن نظامی خود بھی اکثر اوقات ناسوت و مادیات کی تاثیر پابندی سے اصلیت کو فراموش کر کے اپنے پتلے کے کام ان کو سمجھتا ہوں۔ مگر لاہوت کی نظر میں یہ باتیں اور یہ خیالات درست نہیں ہیں۔ کیونکہ جسم و روح کی یہ سب حرکات تو اس جوہر لاہوتی کی تابعدار ہیں جو بنیاد اور حقیقت ہر بشر کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حسن نظامی نام جسم و روح کی متحدہ صورت کا ہے۔ کیونکہ حسن نظامی کا جوہر لاہوتی کسی نام کا پابند نہیں۔ اور عالم ناسوت میں خدا کا ہر فرض اور دنیا کی ہر ڈیوٹی جسم و روح کی متحدہ شکل پر عائد ہوتی ہے۔ جوہر لاہوتی اس سے آزاد ہے۔ مگر لاہوت کے میدان میں جا کر اگر کوئی اپنی بیتی سنانی چاہے تو ناسوت سے باہر نکلنا اور زبان لاہوت سے بولنا اس کے لئے لازمی ہوگا۔

کیا انسان فقط جسم ہے؟

اس کا جواب ہر شخص آسانی سے دیگا کہ محض جسم ہونا تو مرنے کے بعد

جبکہ رُوح جسم سے جُدا ہو جاتی ہے۔ وہ انسان کہلاتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو کیا

انسان فقط رُوح ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جسم کے بغیر روح کے خواص و احساسات اور عملی کام نابود رہتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ روح و جسم کے اتحاد کا نام انسانی یا دنیاوی زندگی ہے۔ اس جسم کو خواہ وہ انسان کا ہو یا حیوان کا۔ نباتات کا ہو یا جمادات کا۔ زندہ کہینگے جو جسم و روح سے متحد ہو۔

نباتات کی رُوح تو جدید سائنس نے ثابت کر دی۔ جمادات میں بھی جان ہے اس کا انکشاف آئندہ زمانہ میں ہو جائیگا۔ کیونکہ اس کائنات میں کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ جب تک کہ جسم و جان سے مرکب نہ ہو۔

مَیں

ہر انسان اپنی خودی و ہستی کا اظہار لفظ "میں" سے کرتا ہے۔ وہ چیز جس کو "میں" کہتا ہے نہ جسم ہے نہ روح اور نہ جسم و روح کی مرکب شکل ہے۔ جسم تو اس واسطے نہیں کہ جسم در اصل رُوح کے دم سے قائم ہے۔ اور خود کوئی قائم بالذات شئے نہیں ہے۔ اور رُوح اس لئے نہیں کہ جسم سے جُدا ہونے کے بعد وہ اپنا وجود ثابت کرنے کے قابل نہیں رہتی اور جسم و رُوح کی متحدہ صورت پر "میں" کا اطلاق یوں نہیں ہو سکتا کہ ہر آدمی "میں" کہتے وقت گو عالم ناسوت کے اعتبار سے جسم و روح کی متحدہ شکل کو مراد لیتا ہے لیکن اس کو محسوس ہوتا ہے۔ کہ میں جسم و روح سے کوئی علیحدہ شئے ہوں جب انسان سوتا ہے تو اس کے جسم و روح کا مجموعہ ایک جگہ پڑا رہتا ہے۔ مگر وہ سارے جہان کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں۔ روح کا احساس اور قوت

خیالی گشت کرتی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ روح کا حس نیند کے نشہ میں بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اپنے گھر یعنی جسم کی بھی خبر نہیں رہتی۔ چاہے کیسی ہی ہلاکت و تباہی جسم پر آجائے۔ روح کو خبر نہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ اگر خواب کی سیر روح کے حواس سے تعلق رکھتی ہوتی۔ تو انسان بیداری کے خیالات کی طرح خواب کے خیالات پر بھی قابو رکھتا۔ بیداری میں وہ جس طرف چاہتا ہے خیالات کو لے جاتا ہے۔ مگر نیند میں اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواب میں اس کا چلنا پھرنا ملنا جلنا نہ جسم سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ روح سے۔ نہ دونوں کے مجموعہ سے۔ بلکہ وہ جوہر لاہوتی کی ایک شان ہو۔ اور "میں" بھی اسی لاہوتی جوہر کی ایک جھلک کا نام ہے؛

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ خواب نبوت کا ایک حصّہ ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواب کی دنیا جسم و روح سے کچھ تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ وہ جوہر لاہوتی کا جلوہ ہے؛

قرآن نے بشریت اور نبوت کا امتیاز بیان کرنے میں کہا ہے کہ محمد بھی ایک بشر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی ہے۔ بشریت جسم و روح کے اتحاد سے قائم ہوتی ہے۔ اگر نبوت جسم و روح کے تعلق کی کوئی چیز ہوتی۔ تو بشریت سے اس کو ممتاز نہ کیا جاتا۔ پس جس طرح نبوت لاہوتی عالم کا ایک پیغام ہے۔ اور جسم و روح سے اعلیٰ ہے۔ اسی طرح خواب کی سیر بھی جسم و روح سے برتر اور لاہوتی جوہر کی دید ہے۔ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ "میں" نہ جسم ہے نہ روح ہے۔ نہ مجموعہ روح و جسم ہے؛

رُوح کوئی بڑی چیز نہیں ہو

آج تک یہی خیال ہوتا آیا ہے۔ کہ روح سب سے بڑی چیز ہے۔ مگر جن بزرگوں

نے روح کی فوقیت بیان کی ہے۔ ان کی مراد روح سے وہ روح نہیں ہے جو جسم کو زندہ رکھتی ہے اور جو اس جسم کی کفیل ہے۔ بلکہ وہ اسی جوہر لاہوتی کو روح کہتے اور سمجھتے ہیں۔ جسم کی کفالت کرنے والی روح ایک مادی شے ہے۔ جوہر لاہوتی کی چمک اس پر پڑتی ہے تو وہ کبھی کبھی منور ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس کو اپنے بدن کی خبرگیری کے سوا اور کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ اور بدن سے جدا ہونے کے بعد اس کا کچھ بھی وجود باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ قدرتِ الٰہی کا ایک ہاتھ ہے۔ جو اخلاطِ جسم کی ترکیب میں پیدا کی جاتی ہے۔ اور خون کی شکل میں ہر وقت جنبش کرتی رہتی ہے۔

ہر وجود کا میں

ہر وجود جمادی، نباتی، حیوانی و انسانی کے اندر ایک میں موجود ہے۔ کسی وجود کا میں جسم و روح کے مجموعہ کو نظر آتا ہے۔ کسی کا نہیں آتا۔ مگر "میں" ہر وجود کو دیکھتا اور سمجھتا رہتا ہے۔ سب انسان اپنے "میں" سے غافل رہتے ہیں۔ کہ میں کی دید و فہمید ایک کسب و ریاضت کی محتاج ہے۔ جبتک جسم و روح ملکر اپنے اندر کی آنکھ صاف نہ کریں۔ اپنے میں کو نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ سمجھ سکتے ہیں۔

میں کا تناسخ

جو لوگ آواگون یعنی تناسخ کے قائل ہیں۔ انھوں نے روح کی گردش کو تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ روح گردش کے قابل چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ایک کیفیت ہے جو جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ باقی رہنے والی چیز "میں" ہے اور وہی غیر فانی اور اصلی روح ہے۔ اور اسی کو قرآن شریف نے امر ربّ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

ارتقار کا مسئلہ

اگر صحیح ہے۔ تو مذہب کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ارتقار اجسام و ارواح کی ترقی میں محدود رہتا ہے۔ "میں" کو نہ زوال ہے۔ نہ ترقی ہے۔ مگر وہ جسم و

روح کی ہر تبدیلی کے ساتھ ساتھ موجود رہتا ہے۔

حضرت مولانا رومی

نے اپنی مثنوی میں جو سات سو ستر قالب بیان کئے ہیں۔ کہ میں نے انکی سیر کی اور فرمایا ہے کہ میں جمادی سے نباتی ہوا۔ نباتی سے حیوانی ہوا۔ حیوانی سے انسانی بنا۔ اور انسانی سے ملکوتی ہو جاؤنگا۔ یہ تغیرات جسم و روح کے ہیں۔ نہ کہ لاہوت کے جوہر "میں" کے۔ کیونکہ "میں" جوہر لاہوتی ان تغیرات سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ البتہ ان تغیرات اجسام و ارواح کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

جزا و سزا

بھی جسم و روح کے مجموعہ کو ہوتی ہے۔ خواہ وہ اس دنیا میں ہو یا مرنیکے بعد ہو۔ یا قیامت کے دن ہو۔ "میں" کو نہ سزا سے واسطہ نہ جزا سے سروکار۔ ہاں وہ جس وجود پر متعین ہوتا ہے۔ اسکی جزا و سزا اور تمام اعمال کو دیکھتا ضرور ہے۔

میں واحد ہے

میں جس کو جوہر لاہوتی کہا گیا۔ ایک ہی وجود ہے۔ اسکی تقسیم محال ہے جس طرح خدا کی تقسیم ممکن نہیں۔ "میں" خدا نہیں ہے۔ مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہے کیونکہ وہ اسی کا امر ہے۔ وہ ہر وجود کے ساتھ ہے اور شانِ کثرت میں نظر آتا ہے مگر حقیقت میں ایک ہے۔ اور وحدت کے سوا کثرت کا اس میں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آفتاب کو دیکھو۔ کہ وہ ایک ہے۔ مگر تمام کائنات میں ہر چھوٹی بڑی جگہ موجود ہے۔ "میں" آفتاب سے کہیں زیادہ بڑی چیز ہے۔ اسواسطے وہ بھی باوجود ایک و یکتا ہونے کے ہر وجود کے ساتھ ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد جس میں اپنے مقصود کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اب اپنی لاہوتی سرگذشت بیان کرتا ہوں۔ تاکہ ناسوتی آپ بیتی کے ساتھ ہر آدمی کو

اپنی لاہوتی بیتی سمجھنے کا شوق پیدا ہو کہ یہی حیات کائنات کا اصلی اور لازوال خزانہ ہے

پہلی بیتی

کُن کی آواز سُننے کے بعد آنکھ کھُلی۔ تو میں مضطرب پانی کی لہروں میں جھکولے کھا رہا تھا۔ پانی کے چہرہ پر جھاگ کے بُلبلے نے میں میں میری زبان سے کہا اور ٹوٹ گیا۔ جوش کی موجوں نے تڑپ تڑپ کر اُچھل اُچھل کر انانیت کے دعوے کئے۔ اور غائب ہوگئیں۔ میں ہر جوش اور ہر خروش کو دیکھتا اور سُنتا تھا۔ اور پانی کے جسم و جان میں رہتا تھا"

دُوسری بیتی

پانی کو سمیٹ کر ایک کنارے لگا دیا گیا تو اونچے اونچے پہاڑ، بچھی ہوئی لمبی زمین نکل آئی۔ میں پہاڑ کی سنسان چوٹیوں اور ہولناک گہرے گہرے غاروں میں رہنے لگا۔ میں کالا پتھر تھا، میں سفید پتھر تھا، میں لال پتھر تھا۔ مجھ میں سب رنگ تھے اور میں سب رنگوں میں تھا۔ مگر درحقیقت میں ان سب سے الگ تھا۔

چوٹی اپنی بلندی پر اتراتی تھی۔ گہرائی اپنی نچائی پر پھولی نہ سماتی تھی پتھر کا جگر اپنی سختی پر گھمنڈ کرتا تھا۔ میں نے کہا۔ تم پانی کے طمانچوں کی یادگار ہو جو ابھی تم سب کو کچل کر ہسل کر اور اونچا نیچا کر کے پرے ہٹا یا گیا ہے۔ غرور کس بات کا کرتے ہو۔ پانی نے تکبر کیا۔ تو اس کو خدا نے ایک کنارہ قید کر دیا۔ تم تعلی کرو گے تو توڑے جاؤ گے، کاٹے جاؤ گے۔ وہ نہ مانے اور آخر ان کے ٹوٹنے اور کٹنے کا زمانہ آگیا۔

زمین ننھے ننھے ذرّوں اور ریزوں کا مجموعہ تھی۔ میں ہر ذرہ اور ہر

ریزہ میں تھا۔ مجھے یاد ہے۔ ہوا مجھکو اُڑاتی تھی۔ پانی مجھکو بہاتا تھا۔ سورج جلاتا تھا۔ تو کیا مجھکو؟ نہیں ذرّوں کے جسم و جان کو۔ میں تو صرف دیکھتا تھا۔ حالانکہ میرا ہی تمام پانی کا بُلبلہ۔ پہاڑ کی چوٹی، پہاڑ کا غار، خاک کا ذرّہ، ہوا کا جھونکا۔ اور پانی کا سیلاب تھا؛

میں ذرّات خاک کے ساتھ ہوا کے بازو پر مدتوں اُڑتا پھرا۔ اور پانی کی روانی و سرگردانی نے سالہا سال مجھکو اپنے ساتھ گھسیٹا۔ جب کوئی ذرہ پانی کے بہاؤ سے گھبراتا۔ تو میں بہا میں چلا۔ مجھے سنبھالو۔ مجھے روکو کہتا۔ یہ آواز اس کے جسم و روح سے نکلتی تھی۔ اور میں اسکو سُنتا تھا۔ گو میری ہی زبان سے یہ فریاد ادا ہوتی تھی۔

تیسری بیتی

جمادات کے بعد نباتات میں آیا۔ ہری ہری گھاس میں لہرایا۔ درختوں کی شاخوں میں جھولا۔ پتوں میں نمودار ہوا۔ پھولوں میں جلوہ دکھایا۔ پھلوں میں سمایا۔ جڑ کے اندر میں تھا۔ ڈالیوں کے اندر میں تھا۔ پتے، پھول پھل سب میرے ہی نام تھے۔ کیونکہ ان کے اجسام و ارواح "میں" کا دم بھرتے تھے اور "میں" سے مراد میری ہی ہستی تھی؛

نرگس کی جھکی نظر کو دیکھتا تھا۔ حالانکہ میں خود اسکی شرم تھا۔ لالہ کا داغ جگر مجھکو ستاتا تھا۔ گو وہ داغ بھی میں ہی تھا۔ گلاب کی لطافت و نزاکت کی میں نے خوب خوب بہاریں دیکھیں۔ مگر گلاب نے یہ نہ سمجھا کہ میں ہی اصلی گلاب ہوں۔ اور میری ہی آب اس کے اندر ہے؛

چوتھی بیتی

نباتات سے حیوانات میں آیا۔ کیڑا بنکر ناچیز رہا۔ گو ناچیز کا لفظ میری شان کے شایاں نہ تھا۔ شیر میں تھا۔ اور بکری بھی۔ باز میں تھا۔ اور چڑیا بھی۔ ہاتھی میں تھا اور چیونٹی بھی۔ گھوڑا میں تھا اور گدھا بھی؛

باغ میں بلبل کی نغمہ خوانی میں نے کی۔ میں نے سُنی۔ میں نے سُنائی۔ پھول کا عشق مجھی کو تھا۔ وہ پرندہ جو بے تاب ہو ہو کر پھولوں کی ڈالیوں پر گرتا تھا۔ اور پھولوں پر چونچ رکھ کر روتا اور غل مچاتا تھا۔ وہ میں ہی تھا؛

شمع پر پروانے جان دیتے، جلنے مرنے آتے تھے۔ تو ہر پروانہ کے تشا میں ہوتا تھا۔ مجھی کو شعلہ کے رُخ سے اُلفت تھی۔ نام جسم وجان کا پروانہ تھا۔ اور کام میرا تھا۔ کہ میں نورانی مکھڑے کا دیوانہ تھا۔ اور خود شعلہ مستانہ تھا؛

پانچویں بیتی

جب ڈارون بندر سے آدمی بناتا تھا اس سے لاکھوں برس پہلے میں نے ارتقار کی منزل طے کر کے انسانی پیکر اختیار کر لیا تھا۔ خلقت سب سے پہلے آدمی کی تاریخ پر غور وخوض کرتی تھی۔ کوئی حضرت آدمؑ کو بنیاد آدمیت کہتا۔ اور چند ہزار سال کی عمر آدمیت کی قرار دیتا۔ کوئی کروڑوں برس کی تاریخ پیش کرتا۔ مگر میں ہنس ہنس کر ان کی باتیں سُنتا تھا۔ کیونکہ میعاد معلوم کرنے سے زیادہ مفید اُن کو یہ تھا کہ آدمیت کے پوشیدہ جوہروں پر غور کرتے صرف وقت اور تاریخ کا علم ان کو ذرا بھی فائدہ مند نہ تھا۔

آواگون کی جب بحث ہوتی تھی۔ اور ارواح کو مختلف اجسام میں گردش اور

دورہ کرنے والا بتایا جاتا تھا۔ تو میں سب تقریریں سنتا اور تحریریں پڑھتا تھا۔ رُوح کو ایک مقام میں مقیم جب کہا جاتا تھا۔ تب بھی میں موجود ہوتا تھا۔ مجھے نہ ان سے سروکار تھا۔ نہ ان سے کچھ واسطہ تھا۔ کیونکہ اصلیت اس عالم ناسوت کی میرے سوا کسی باشندۂ ناسوتی کو معلوم نہ تھی؛

ہابیل قابیل کی لڑائی میں میرے سوا کون تھا۔ حضرت نوحؑ مجھی کو کہتے ہیں۔ خلقت میرے ہی سامنے پانی میں ڈوبی تھی۔ اور جس دن میں موسیٰ تھا اسی دن اور اُسی ساعت فرعون کی زبان پر بھی میری جنبش تھی۔ حالانکہ میں دونوں سے ایک الگ شئے تھا؛

حضرت عیسےٰؑ کو روح اللہ اسی واسطے کہا گیا تھا کہ میں عیسےٰؑ تھا۔ اور عیسیٰ کی زبان سے قم باذن اللہ بولتا تھا۔

غارِ حرا میں میں ہی اقرا لے کر آیا تھا۔ اور میں نے ہی اقرا پڑھی تھی۔ بدر میں مجھی کو ابوجہل پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ اُحد میں میرے ہی چہرہ پر پتھر لگا تھا۔ اور نام میرا کسی نے نہ لیا تھا۔ کیونکہ میرا چہرہ کسی ہتھیار سے زخمی نہیں ہوسکتا۔ جس جسم اور رُوح نے اس پتھر کی کوفت اُٹھائی تھی۔ اس کی خودی اور اصلیت مجھکو ہی سمجھنا چاہئے۔ مدینہ کی مسجد میں غلام نے زہر آلود خنجر میرے ہی مارا تھا۔ کوفہ کی مسجد میں ابن ملجم کا وار مجھ ہی پر ہوا تھا۔ کربلا میں پیاسے گلے پر خنجر چلا۔ تو گلا میں تھا۔ اور خنجر بھی میں تھا۔ اور پھر دونوں سے الگ بھی میں ہی تھا؛

میرا نام خالد ہے۔ میرا نام تیمور و نادر ہے۔ میں ہی محمود غزنوی ہوں اور سومنات کا بُت بھی مجھکو ہی کہتے ہیں۔

قیصر ولیم اور ہینڈن برگ بھی میں ہوں۔ اور کنگ جارج اور لارڈ جارج اور مارشل فاش بھی میرا ہی نام ہے۔ زارِ روس کا قتل میں نے دیکھا۔ اور کہتے یہ

ہیں۔ کہ مجھکو قتل کیا گیا۔ مسٹر رولٹ اور مسٹر گاندھی جن کو کہتے ہو۔ وہ میرے سوا اور کوئی غیر نہیں ہے۔ سر ہملٹن گرانٹ اور کرنل علی احمد خاں کی آوازوں میں اسی مہینہ مجھکو دیکھا اور سنا ہوگا۔

اس حسن نظامی کو اندر

ذرا سننا یہ حسن نظامی جسکے اندر میں ۴۷ برس سے ہوں اور جسکے ناسوتی حالات تم نے ابھی پڑھے کیا چیز ہے اور میرا اس کا کیا تعلق ہے۔

وہ لکھتا ہے۔ میں یوں پلا۔ میں یوں پڑھا۔ میں نے یہ کیا۔ میں نے وہ کیا اس سے پوچھو تو کہ تو ہے کون چیز۔ تین میں نہ تیرہ میں سُتلی کی گرہ میں۔ کہو "میں" کو سمجھا بھی؟ یا یوں ہی میں میں کرکے کاغذ کالے کر دیئے!

سُن رے او خاک کے جاندار پُتلے اُٹھنے والی مُورت! بگڑنے والی صُورت جب تو ماں کی گود میں پڑا تھا۔ اور تجھکو نہ ہاتھ ہلانے کی طاقت تھی۔ نہ نظر اٹھانے کی قدرت۔ دُکھ کا اظہار کر سکتا تھا۔ نہ سُکھ کا۔ نہ اپنے کی خبر تھی۔ نہ پرائے کی۔ اُسوقت تو حسن نظامی تھا یا میں؟

اور جب تو گلیوں میں کھیلتا۔ خاک اُڑاتا چیختا۔ غُل مچاتا پھرتا تھا تو حسن نظامی ہونے کا دعویٰ تجھکو تھا یا مجھ کو۔

یاد رکھ کہ میں اوّل دن سے حسن نظامی تھا اور آخر دم تک حسن نظامی رہونگا جب جمادات۔ نباتات۔ حیوانات میں تیری ہستی کا عکس کروٹیں لیتا، بدلتا، بدلاتا ارتقائی سیڑھیوں پر گرتا پڑتا چڑھتا چلا آتا تھا۔ تو میں پورا ترقی یافتہ حسن نظامی موجود تھا جس دن تو آج سے دو سو برس پہلے ایک غمگین غلام کے قالب میں سرور آقا کی خدمت بجالاتا۔ اور تجھکو دنیا کا ہر غم بیحد ستاتا تھا۔ اُس روز بھی میں حسن نظامی تھا

مگر غم کا حس نہ رکھتا تھا۔ تو نے اس قالب میں غموں کو محسوس کرتے کرتے احساس غم کی طاقت سب کی سب خرچ کر ڈالی۔ آج اگر تجھکو غم نہیں ستاتا۔ تو کیوں تعجب کرتا ہے پچھلے زمانہ میں غم کی ساری دولت خرچ تو کر چکا ہے۔ اب کھوئی ہوئی قوت دوبارہ کیونکر ملے کہ فطرت اللہ کا یہ دستور نہیں ہے۔

ذہن میں لا اُسوقت کو جب تو حسن صورت اور حسن صوت سے گھبراتا تھا۔ اور بری شکل اور بُری آواز پر تیرا دم جاتا تھا۔ افریقہ کے حبشیوں میں اپنی یہ بدخصال زندگی پوری کی تھی۔ آج اگر تو اچھی صورت اور اچھی آواز پر جان دیتا ہے اور حسن کے بغیر سانس نہیں لے سکتا تو حیران نہو کہ دوسری زندگی پہلی زندگی کا عکس ہوا کرتی ہے۔ اور جذبات کے تغیرات کا دور ہر انسانی پتلے میں گردش کرتا رہتا ہے۔

او حسن نظامی! او نام کے حسن نظامی! میں تیرے ساتھ ہوں۔ جب تو سوتا ہے میں جاگتا ہوں جب تو روتا ہے میں ہنستا ہوں۔ جب تو بھوکا ہوتا ہے میں پیٹ بھرا ہوتا ہوں مگر تو حسن نظامی کا سونا حسن نظامی کا رونا حسن نظامی کا کھانا سمجھتا ہے حالانکہ حسن نظامی ان سب سے پاک و اعلیٰ ہے۔ نہ اسکو تیری طرح کسی کا خوف ہے۔ نہ وہ تیری مثل کسی غیر کے تصور میں غرق رہتا ہے مگر تو اپنے آپکو حسن نظامی کہکر مجھکو اپنے تمام خرافات کا مخزن بناتا رہتا ہے؛

خیال کیا کر کہ جب تیری رُوح کے حواس اپنی ہستی پر غور کرتے ہیں تو تجکو محسوس ہوتا ہے کہ تیرے جسم و جان کے علاوہ کوئی تیسری چیز جو تیرے جسم وجان کے مجموعہ پر غور کر رہی ہے موجود ہے مگر پھر بھی تجکو یاد نہیں رہتا۔ اور اسی زندہ گوشت پوست کو حسن نظامی سمجھنے لگتا ہے؛

کہدے آپ بیتی پڑھنے والوں سے کہ ناسوتی آپ بیتی جسم وجان کی بیتی ہے۔

حسن نظامی کی حقیقت کو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں حسن نظامی کچھ اور چیز ہے جو نہ تصویر میں آئے نہ تقریر میں سمائے نہ تحریر میں نظر آئے۔ اسکی جھلک دیکھنی ہو تو مجازی حروف

والفاظ اور مادی نقوش و خطوط کے دیکھنے اور پڑھنے سے جو کیفیت طاری ہو اور ایک اثر پڑھنے والے کے دماغ میں نظر آئے۔ تو سمجھ لینا کہ یہ حسن نظامی کی اصلی شان کی شعاع ہے؟

آنے والی سرگذشت

لاہوتی آپ بیتی کے سرسری اشارے سننے کے بعد اس سرگذشت کو سننا چاہئے جو حسن نظامی کو آئندہ پیش آنیوالی ہے۔ وہ کہتا ہے جمادی، نباتی، حیوانی، انسانی وید کے بعد اب آگ، سورج، ستاروں کی شعاع اور بجلی کے سانسوں کے تھامین رت بدن اوپر چڑھونگا اور کہونگا میں آگ ہوں، میں سورج ہوں، میں چاند ہوں۔ میں مشتری و مریخ ہوں۔ میں بجلی ہوں۔ اور پھر یکایک کہونگا۔ اب میں ناسوتی عناصر سے اوپر آگیا اور فرشتہ ہوں۔ پھر فرشتوں کے مدارج و مراتب میں سیر گشت رہیگا۔ اور کئی لاکھ برس کے بعد میں اوپر چلونگا اور حجابات، رازمیں میری پرواز رہیگی۔ وہ ختم ہوجائینگے۔ تو لاہوتی شاخ کا طائر ہا ہوتی صحرا میں اڑکر چلا جائیگا۔ جہاں کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ اور معلوم ہو تو اسکی نوشت ممکن نہیں۔ اور نوشت ممکن ہو تو فہم ممکن نہیں اور فہم ممکن ہو۔ تو ناسوت غیر ممکن ہو جائے۔

پھر ناسوت کی آخری بات

دیکھو دیکھو میں تو وہی دنیادار آدمی ہوں جو دُکھ اور سُکھ خیر و شر کے واقعات لکھ رہا تھا حواس کی غنودگی میں خبر نہیں کیا لکھدیا۔ کس نے لکھدیا۔ کیوں لکھدیا؟

صاحب میں مسلم ابن مسلم بعمر ۲۷ سال اقرار صالح کرتا ہوں اس امر کا کہ مقررہ طبعی عمر پر موت آئیگی۔ فرشتہ بحکم خدا جان نکال کر لیجائیگا۔ غسل دیکر کفن میں لپیٹا جاؤنگا، جسکو قبر میں رکھا جائیگا۔ وہاں منکر نکیر اعمال کا حساب کرینگے۔ اور عقاید

کی پرسش ہوگی۔ پھر ایک دن حشر اکبر آئیگا۔ نفسی نفسی کہتا ہوا ایک تاجدار کیطرف دوڑونگا جو اُمتی اُمتی کہہ رہا ہوگا۔ اور سب سے بڑا جھنڈا اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اعمالِ بد کی ندامت سے شرمسار ہو کر اس شہریار عالی وقار کے قدموں میں سر جھکا دونگا اور رو رو کر کہونگا ظَلَمْتُ نَفْسِیْ یَا سَیِّدِیْ (اے میرے سید میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ وہ اُمت نواز میرے سر کو اُٹھائیگا۔ سینہ سے لگائیگا۔ عرش کا پایہ پکڑیگا اور فرمائیگا:۔

رَبَّنَا یَا رَبَّنَا هٰذَا عَبْدُكَ (اے مولے اے مولے یہ تیرا بندہ ہے)

عرش سے آواز آئے گی:۔

غَفَرْتُ عَبْدِیْ بِشَفَاعَةِ حَبِیْبِیْ وَرَسُوْلِیْ (بخشدیا اپنے بندہ کو اپنے محبوب و رسولؐ کی سفارش سے) ندامت کا پسینہ خشک ہوگا۔ خوف کی خشکی تر ہوگی۔ غضب کا لرزہ رحم و فضل کی تسلی ٹھہرائیگی۔ اور بہشت کے دربان رضوان کی آواز آئیگی:۔ تَعَالَ تَعَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ (ادھر آ۔ ادھر آ خدا کے بندے) میں دوڑونگا مگر پھر اُلٹا پھرونگا۔

طبع ثالث

الحمدللہ یہ رسالہ تیسری بار شائع ہوتا ہے۔

رمضان المعظم ۱۳۴۳ھ۔ مئی ۱۹۲۵ء

حلقہ مشائخ بک ڈپو دہلی